اصل تالیف: شاہ ولی اللہؒ

ترجمہ و املا: مولانا عبید اللہ سندھیؒ

ترجمہ خیر کثیر

○

ساتواں خزانہ ○ نشأتِ ولایت کے احکام میں

اس کے چار طریقے ہیں: ۱۔ صحابہ کا طریقہ اور ان کا اصل مذہب یہ ہے کہ جب اللہ سبحانہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عین ثابت میں تجلی فرمائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عین کا رنگ اختیار کیا تو ایسا تحقق اور تقرر ہوا جیسے کہ اسم الٰہی کا تقرر اور تحقق ہوتا ہے۔ ہم اس قسم کے اسماء کو اسماء حادثہ کہتے ہیں اور یہ امکانی صورت کا لباس پہن لیتے ہیں جیسے کہ تورات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سُبْحَانَ الَّذِیْ ظَهَرَ فِیْ طُوْرِ سِیْنَاءَ وَاَشْرَفَ عَلٰی سَاعِیْرَ وَاسْتَعْلَنَ مِنْ جَبَلِ فَارَانَ (یعنی پاک ہے وہ ذات جو طور سیناء میں ظاہر ہوئی اور ساعیر پر جلوہ کیا اور جبل فاران سے اعلان کیا) اور قرآن مجید میں فرمایا ہے لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ۔ پس اس اسم حادثہ سے قرب حاصل کرنا سب سے نزدیک کا طریقہ ہے اور یہ ہے اصحاب کا طریقہ۔ اس میں ہے ان کی فنا اور اس میں ہے ان کی بقا۔ ان میں سے بعض[1] ایسے لوگ بھی ہیں جو اسماء حادثہ سے گزر کر ان اسماءِ قدیمہ کی طرف پہنچ گئے ہیں

---

[1] حضرت امام مترجم سے میں نے خیر کثیر کے درس میں سنا تھا کہ اس بعض سے مراد سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہیں۔ قاسمی

جو ان اسماء حادثہ کے ضمن میں ہیں اور انھی اسماء حادثہ کے راستے سے قدیم تک پہنچے ہیں۔

تمہیں یقینی بیان سے یہ ظاہر مان لینا چاہیئے کہ صحابہؓ فطرت کے لحاظ سے "امتِ امیہ" تھے[۱]۔ پھر کسب کے حساب سے بھی امی تھے۔ پھر کمال کے حساب سے بھی امّی ہی تھے۔ اس کی تحقیق کا طریقہ یہ ہے کہ ان میں اکمل اور اقرب وہ شخص تھا جو پورا مقلد تھا اور تقلید سے مراد ہمارے یہاں تقلیدِ نظری ہے اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باطن سے رنگین ہوجانا۔ ان کا اقرب و اکمل وہ شخص تھا جس کے لئے وہ قوتِ ممیّزہ نہیں تھی جو تمثلات اور حقیقت کے ضعیف اتصال سے پیدا ہوتی ہے اور ان دونوں (حقیقت اور تمثلات) کے اپنی صورت میں مستقل طور پر قائم ہونے سے پیدا ہوتی ہے اور اس کی حدّت مزاج اور صلابت اطراف سے پیدا ہوتی ہے اور اس موطن کی خصوصیت سے پیدا ہوتی ہے۔

اور یہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ جس انسان کے لئے اس کے خیال میں قوتِ ممیزہ تام موجود ہو۔ اس کے لئے فنا حاصل ہونا ممکن ہی نہیں۔ (اور جس کے نفس کے لئے ایسی قوت ہوتی ہے اس سے انسلاخ نہیں ہوتا)[۲] مگر حکماء کے لئے ایک قوت قدسی ہوتی ہے تو یہ ان کے لئے فطرت کے حساب میں امیّت کا باعث بن جاتی ہے۔

پھر ان پر کمال مطلق مجرد طاری ہوا اور دین کے ضروری کاموں کے ضمن میں وہ امور عامہ کا ایک ضروری حصہ نہیں سیکھ چکے تھے تو اپنے حال کی کسی کو خبر نہیں دے سکتے، ایسی واضح خبر جس سے ان کی زبان نہ سمجھنے والا آدمی پر کچھ واضح ہو۔

ان کی تفصیل بیان کی انتہا یہ تھی کہ وہ کہہ دیں "اقربھم وسیلۃ اوھو عند اللہ بمکان" یا کہہ دیں "ھوالذی وفقہ اللہ" یا اس کی رائے وحی یا قرآن کے موافق ہے یا کہہ دیں کہ شرح اللہ صدرہ یا اجارہ اللہ من الشیطن یا تغلغل التقوی فی شراشرہ۔

۱؎ یعنی ان میں جنابیت نہ تھی۔ قاسمی

۲؎ بین القوسین ترجمہ اصل میں نہ تھا۔

ایسا بھی ممکن ہے کہ ان کے نزدیک یہ علم علوم میں سے نہ ہو اور ان کے لئے کوئی لفظ واضح کیا ہو نہیں ملتا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ازلی التفات قصداً ان چیزوں کی طرف اس سے زیادہ نہ ہو کہ یہ ایمان کا کمال ہے، ان سے کرامات بہت کم صادر ہوتی ہیں تو یہ کسب کے حساب سے ان کی امیت ہے اور ان کے کمال کے حساب ان کی امیت اس طرح ہے کہ ان کا کمال اس اسم حادث سے قرب حاصل کرتا ہے جس نے تمام اسماء کو جمع کرلیا۔ اب یہ حاصل ایسے طریقہ سے ہوا کہ اس کے نفوذ کا واسطہ اور ہے۔

یہ بھی یاد رکھو کہ اس نور سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن سے فائض ہوا مستفید کی عین ثابتہ بھی رنگین ہوجاتی ہے اور اس کے جمیع تمثلات بھی۔ تو اس طریقہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ لَوْکَانَ بَعْدِیْ نَبِیًّا لَکَانَ عُمَرُؓ (کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتا)۔ اور یہ فقط صحابہ کے سابقین اور ممتاز لوگوں میں ہوسکتا ہے۔

یہ یاد رکھو کہ نور نبوت سے منور ہونے والی یہ جماعت تین طبقوں پر ہے اور یہ ایک امر ہے جو سب کو شامل ہے کہ جو فیض اسم واحد متوحد سے ہورہا ہے وہ ہیئت خلطیہ کے مناسب ہوگا اور اس کے لئے اس مثال کو یاد کرلینا چاہئے جو ہم نے صفرا اور آگ کی بیان کی ہے۔ (یعنی آگ جب اخلاط میں ظاہر ہوتی ہے تو صفرا کی صورت اختیار کرلیتی ہے) اس میں گرمی ہے۔ اگرچہ صفرا ایسی چیز ہے جو آگ کو بجھادے گی مگر دوسرے موطن میں اس کو آگ کا قائم مقام سمجھا جائے گا۔

تو اب اس طرح سمجھو کہ یہ جو حکمت کا افاضہ کیا جاتا ہے وہ خالی حکمت نہیں ہے لیکن عالم خلط میں حکمت کے مقابل واقع ہوئی ہے۔

(۱) پہلا طبقہ حکمت اور عصمت اور وجاہت کے وارث اور وہ اہل بیت ہیں اور وہ رسول اللہ کے خادم ہیں۔ سنتِ الٰہیہ اس پر جاری ہوچکی ہے کہ ہر نبی کے اہلِ بیت اس واضح فضیلت کے وارث ہوں۔

اور یہ لوگ دو قسموں پر ہیں: ایک صنف ایسا ہے جو ان چیزوں کا اس لئے وارث

ہوا کہ ان کے ساتھ طینت کی صفائی، سینے کی وسعت اور صورت جویہ موجود ہے اور وہ "علیؓ" ہیں اور اس کی اولاد، اور فاطمہؓ، حمزہؓ، عباسؓ، اور اس کی اولاد۔ اس کا راز وہی ہے جو ہم نے خزانۂ ثالثہ میں ذکر کیا کہ لطیف النفس انسان سے لطیف النفس پیدا ہوتا ہے اور ولادت روحانیہ، ولادتِ جسمانیہ کی طرح ہے اور یہ لوگ اس طرز کے قطب ہیں۔ اور ائمہ کا دوسرا صنف وہ ہے جو ان کمالات کے اس لئے وارث ہوئے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں رہے، تنگی میں، فراخی میں، ناگواری میں اور خوشی میں ساتھ رہے نہایت اختلاط کے ساتھ اور یہ لوگ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواجِ مطہرات اور آپ کے خادم۔ اور اس کا راز یہ ہے کہ انھوں نے قطعی طور پر اپنا نصیب حکمت اور فطرت سے لیا۔ یہ وہ فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ اپنے چیدہ بندوں کو مفطور کرتا ہے۔ اس جماعت کی حکمت ایک طرح تلقین ہوتی ہے۔

قرآن شریف کی اس آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا ۝ کا تقاضا یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات اہل بیت میں سے ہوں۔ اس آیت کا تعارض اس حدیث سے ہے جس کا حاصل ہے اہل بیت بنو ہاشم اور بنو مطلب ہے۔ اور نیز اس کا تعارض اس حدیث سے ہے جس میں ان کو خمسہ طاہرین میں منحصر کیا گیا ہے۔ اس تعارض کا دفع کرنا قوانینِ حکمت پر سہل ہے۔ اہلِ بیت کو تین قسموں پر تقسیم کردو۔ اور ہم نے جو تجھے بتایا ہے اس کے بعد تم آسانی سے کرسکتے ہو۔ (تو ان میں حصر ایک ایک قسم کا ہوگا) فتدبّر۔

۲۔ دوسرا طبقہ حفظ اور تلقین اور ارشاد کے وارث۔ وہ ہیں خلفاء راشدینؓ اور جو ان کی طرح کے لوگ ہیں۔ خلافتِ عظمیٰ ان کا حق ہے۔ ہم اس کو بلند آواز سے کہتے ہیں کہ علی کرم اللہ وجہہٗ اگرچہ اس مرتبہ فضل عظیم کے وارث ہیں، اگر وہ شیخین کی جگہ خلیفہ بن جاتے تو بلاد مفتوح نہ ہوتے اور اسلام کی اشاعت نہ ہوتی۔ اس کے علاوہ خلفاء نے فضلِ جلی کو تکلف سے حاصل کرلیا ہے، یہاں تک کہ وہ اس کی حقیقت سے ملتبس ہوگئے۔ ابوبکر صدیقؓ کا یہ کہنا کہ یالیتنی ذنب محمد حکمت کے مذہب میں

اس پر دلالت کرتا ہے۔

۳۔ تیسرا طبقہ انسؓ اور ابوہریرہؓ اور باقی علماء اور مفتی صحابہ میں سے ہے اور وہ تین شعبے باطنیہ کے وارث ہیں اور خالد اور معاویہ اور ان کی طرح کے لوگ تین شعبے ظاہریہ کے وارث ہیں۔

عن علیؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لکل نبی سبعۃ نجباء رقباء واعطیت انا اربعۃ عشر قلنا ومَنْ ھُمْ؟ قال: انا وابنای وجعفر وحمزۃ وابوبکر وعمر ومصعب بن عمیر وبلال وسلمان وعمار وعبداللہ بن مسعود وابوداؤد والمقداد رواہ الترمذی۔

اس حدیث کا مطلب بیان کرنے کیلئے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ہر رسول کے لئے لازم ہے کہ اس سے بعض لوگ تو حکمت کا حصہ سیکھیں اور بعض لوگ تلقین کا حصہ سیکھیں اور بعض لوگ ایسے ہوں جن میں اعداء اللہ کی عداوت ظاہر ہو، ہجرت کے اعتبار سے یا جہاد کے اعتبار سے یا بحث مناظرہ کے اعتبار سے اور بعض لوگ ایسے ہوں کہ ان میں فقہ یعنی قانون اور حکومت یعنی سیاست اور اس قسم کی باتیں ظاہر ہوں۔ اور اس کا یہ مطلب ہے کہ نبی محتاج ہے کہ ہر کمال جو اس میں موجود ہو اس کی ایک تمثال اس کے شاگردوں میں ہو جو دوسروں سے علیحدہ ممتاز ہے تاکہ ان کی وجہ سے سمجھ جائیں کہ اس کمال کو وہ لوگ جو اختلاط کے بحر میں مستغرق ہیں اور توحید میں استغراق رکھتے ہیں۔

حکماء کی رائے کا تقاضا یہ ہے کہ "نجیب" ان کو کہا گیا ہے جو "حکمت" کے وارث ہوں۔ اور "خلفاء" تلقین اور اس کے ساتھیوں کے وارث ہیں اور "رقباء" ہجرت اور جہاد کے وارث، اور علیؓ چونکہ حکماء اور رقباء کے امام تھے، رسول اللہ نے آپ کو ان کا عدد سمجھا دیا اور یہ بھی سمجھا دیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور نبیوں پر فضیلت ہے بسبب عدد کی زیادتی کے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حکماء بعینہٖ رقباء بن جائیں نبی کی صحبت اور ارشاد کے چکھنے سے۔

عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدخل الجنۃ من اُمتی سبعون الفًا بغیر حساب، ھم الذین لا یسترقون ولا یتطیرون و علی ربھم یتوکلون (متفق علیہ) یہ یاد رکھو کہ صحابہ میں سے اکمل وہ شخص ہے جس کو تجلی افعالی دی گئی ہو، اس لئے کہ ان کا کمال اسم متجدد کے ذریعہ سے قرب حاصل کرنا ہے۔ اور اسم متجدد کے تجدد سے کائنات یومیہ پیدا ہوتی ہے۔ پس جب کہ وہ کمال حاصل کرتے ہیں تو متوکل ہوتے ہیں اور اپنے تمام کام اللہ کے سپرد کردیتے ہیں۔ بخلاف اولیاء کے ان میں سے علمی آدمی، ان کا کمال ہے نشأت کو پہچاننا جیسی کچھ ہے اور اس کمال سے جو چیز انھیں حاصل ہوتی ہے وہ وسائط کے ساتھ تعلق اور تدبیر ہے۔ پس جب کہ وہ کامل ہوتے ہیں تو اسباب کو سمجھ لیتے ہیں اور حقیقت التوحید اور امر کی کنہ کو جانتے ہوئے اسباب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور جو لوگ اولیاء میں سے صاحب حال ہیں ان پر ایک غفلت طاری رہتی ہے۔ اس کی ہمت کا قبلہ اور ان کی توجہ کی جہت فقط یہ ہوتی ہے کہ ان کا دنیاوی وجود ان کی حکم کے نیچے مقہور ہے۔ پس ان کے لئے توکل ہوتا ہے تو بالعرض اور غلبے کا تقاضا یہ نہیں کہ ان کے کمال کی قوت نے ان کو اس مقام پر پہنچایا ہے۔ اسے اچھی طرح یاد رکھو۔

ولایت کا دوسرا طریقہ حکماء کا طریقہ ہے اور یہ اولیاء اور انبیاء کے طریقوں میں برزخ ہے اور یہ گویا عقل ہیولانی ہے نبوت کے لئے جیسے عقل بالفعل کہنا چاہیئے۔ اوران کے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ عقل میں اتنی ترقی کریں کہ اس دو چند عقل سے یہ سمجھنے لگ جائیں کہ تجلی ذاتی ہونے کے بعد وصول الی اللہ کا رتبہ دوسرا بھی ہے۔

اس کی تحقیق کا راستہ یہ ہے کہ جس چیز کا ہمیں علم حاصل ہوا ہے اس میں یہ بات داخل ہے کہ تجلیات دو قسم کی ہیں، دونوں کو تجلی کہا جاتا ہے فقط لفظی اشتراک کی وجہ سے (اس میں معنوی کوئی چیز مشترک نہیں ہے) تو ان میں سے ایک قسم تو وجودیات کی ہے، اس سے حاصل وجود خاص ہوتا ہے اور اس کا ذکر خزانۂ ثالثہ

میں پورا ہو چکا ہے۔ اور بعض ان میں سے شہودیات ہیں، ان کے ذریعہ سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ بندے کو معرفت حاصل ہو، علم حاصل ہو اور علماء کے کلام میں مقرر ہو چکا ہے کہ وہ تین قسم پر ہے: صوریہ معنویہ، ذاتیہ اور شہودیات۔ یہ ظل وجودیات کے یا ان کی تمثلات میں سے ہیں یا ان وجوہ کے تمثلات میں سے ہیں۔ جو وجودیات میں منطوی تھے۔ پس ثابت ہوا کہ اس حصول کا مطلب یہ ہے کہ شہودیات وجودیات کے اندر درج ہو جائیں جیسا کہ ظلال دوپہر کے وقت اشباح میں درج ہو جاتے ہیں۔ اس طریقے سے وہ وصول علمی جو اصحاب تدقیق کے نزدیک جو کچھ تھا اس کو جمع کرنے والا ہے (منقطع ہو جاتے)۔

اور یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ یہ وصول عبارت ہے حقائق کے تمثلات پر غالب آنے سے یہاں تک کہ صورتِ جویہ سے منسلخ ہو جائے اور وہ صورت عدم کے حق میں شامل ہو اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ وصول عبارت ہے اس سے کہ عرفان کی غایت یہ نسبت قدسیہ ہو جو اللہ اور اس کے درمیان ہے ازلاً ابداً، تو ربط ایک ہی ہے اور اس کی جہتیں مختلف ہیں اور یہ بنیاد ہے وصال کی اور واصل ہے کمال کا۔ یہ آخر مقام ہے حکمت کا۔ اس کے بعد نہیں ہوتا مگر رفع ان حجابوں کا جو واقعی ہیں علمی ہیں۔ اور یہ بہت تھوڑے لوگوں کو معلوم ہوتے ہیں حکماء میں سے مگر جن کو اپنے رب سے وسیع فضل دیا گیا ہو۔

ان کے اس کمال مطلق تک پہنچنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی طرف منجذب ہوتے ہیں تو غیب کا نور اور دوسرے مرحلے طے کرتے ہیں یہاں تک کہ اسماء کے میدان تک پہنچ جاتے ہیں تو ان کی نظر ان اسماء سے بہت جلدی نفوذ کر جاتی ہے پھر وہ تجلی الٰہی میں مضمحل ہو جاتے ہیں، ایسے نہیں جیسے کہ اولیاء مضمحل ہوتے ہیں پھر قرب الفرائض کی طرف لوٹتے ہیں پھر اس وصول پر پہنچتے ہیں جس کا ہم نے ذکر کیا۔

حکماء میں سے جو شخص اکمل ہو گا اس کے لئے ضروری ہے کہ قرب الفرائض میں

دُوسری دفعہ مضمحل ہو۔ یہ بطور عکس قبول کرنے کے ہیں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اس کی عین ثابت پکی ہو جاتی ہے، وسیع ہو جاتی ہے اور اس پر اللہ سبحانہ تعالیٰ کا تسلط قائم ہو جاتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال باطنی کی حیثیت سے اور اس میں تین شعبے ہیں :۔

(۱) حکمت، اور یہ فطری علم ہے کسبی نہیں۔ اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ یہ وہاں سے پھوٹتا ہے جہاں سے اس کا اصلی وجود پھوٹتا ہے یعنی وہ اسم جو الٰہیات تکوینیات وغیرہ وسیع ہو۔ اور اس کا راز یہ ہے کہ مجردات میں علم عین ذات ہوتا ہے علٰحدہ ممتاز نہیں ہوتا مگر ایسے تمثلات میں جو متحیر ہوں، تو جب قربِ وجودی ثابت ہوگا تو تمثلات میں علوم ثابت ہوں گے ان کی وسعت کے سبب سے اور اس حکمت کا خلیفہ ہے عالم حس میں اور یہ فراست، تیقظ اور ذکاء ہے اور یہ موجود ہیں ایسے عالم میں حس کے ثابت کرنے کے لئے حکماء مختص ہے جیساکہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ عام لوگوں کو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ ان کے تمام کمالات شجاعت ہو، سخاوت ہو، ذکاء ہو ایسے امر ہیں جو آسمان سے نازل ہوتے ہیں پھر ان کی تدبیر کرلی اور واپس عروج ہوگیا۔

(۲) دوسری عصمت۔ اور یہ اس کی عین کی وجوہ میں سے نیک وجوہ کا تمثل ہے برے وجوہ کا تمثل نہیں۔ اور اس کا راز یہ ہے کہ جس شخص کو خیر تام کے ساتھ قرب وجود کا اقتراب حاصل ہو اور اس میں شرور کا تمثل محال ہے وہ شر باعتبار اخلاق کے ہوں یا باعتبار اعمال کے اور اس کے خلیفہ کا نام عفت ہے جو لذاتِ جسمانیہ میں عدم انغماس کا نام ہے۔

(۳) تیسرا وجاہت۔ یہ ایک قسم کی بلندی ہے عام لوگوں پر عنداللہ (اللہ کے نزدیک) اور نفس الامر میں۔ اگرچہ اس کی تابعداری کرنے والا ایک آدمی بھی نہ ہو۔ اور اس کا راز یہ ہے کہ مزاجی صورت سے انسلاخ اور سلسلہ خیریت میں اللہ کا قرب اور اس کا خلیفہ ہے وقار، سکینت، تسلط، اور اس کے تابع ہوتا ہے ارشاد،

جس شخص کی وجاہت زیادہ ہو اس کا ارشاد زیادہ ہوگا اور کمال سابغ ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو رخصت دی ہے اسماء الٰہیہ سے توسل کرنے کی خوارق کے اظہار کرنے میں۔

یہ اسماء سے توسل کرنا ہمارے نزدیک کسی عدد اور وقت کی محافظت کا محتاج نہیں ہے جیسے کہ اکثر اہل دعوت کا خیال ہے، بلکہ اس کی حقیقت ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اس اسم کی تلاوت کی جائے اور اس کی حقیقت سے معرفت حاصل کی جائے اور اس میں فنا اور بقا حاصل ہو، پھر دعا اور عاجزی اس کی طرف ہو۔ اور ان لوگوں کے لئے رخصت دی گئی ہے کہ ریاضت کی چیزوں کے وسیلے سے کمال بنائیں صلوات، صدقات، صیام، ترک الکلام تاکہ کائنات میں کشف پیدا ہو۔

حکیم پر واجب ہے کہ وہ وسیع الصدر ہو اور اس صفت سے ہماری مراد یہ ہے کہ وہ کوئی وصف اور کوئی حال ایسا نہ دیکھے جس کو حقیر نہ جانے اور چھوٹا نہ سمجھے اور اس پر حرام ہے ہر سلیقہ حسی جو اس کے مزاج میں ملکات کی جگہ پکڑے جیسے موسیقی اور شعر کا سلیقہ اور اس پر حرام ہے کہ اس پر کسی کی منت ہو مخلوقات میں سے، دینی طور پر یا دنیاوی طور پر سواء انبیاء کے۔ وہ ان کی وحی میں تقلید کرتا ہے اور جیسا کہ حکمت میں سمجھ چکا ہے، اس کے مطابق اپنے نفس میں وہ بات ثابت کرنے کی کوشش کرتا رہے۔

۳۔ تیسرا طریقہ طریقۃ الاولیاء ہے جن کو فنا حاصل ہو چکی ہے جاننا چاہئے کہ ولایت کے دو معنی ہیں، ایک معنی عام ہے دوسرے خاص۔ عام معنی تو یہ ہے کہ نبوت کے سوا ہر ایک قرب ولایت ہے اور یہ شامل ہے حکمت کو، صحابیت کو، ولایت خاصہ کو اور صفا کو۔ اور خاص معنیٰ: ذاتِ الٰہی میں ایک طرح کی فنا حاصل کرنے کو کہتے ہیں۔ اور صورت مزاجیہ میں بھی فنا حاصل کرے۔ یہاں الفاظ پر بحث کرنا نہیں ہے بلکہ حقائق بتلانا پیش نظر ہے تو ان کا اصل مذہب یہ ہے کہ

کوئی ایک طلسماتی عمل کریں۔ اور وہ عمل یہ ہوگا کہ اپنے نفس میں سے لطیف درجہ تک پہنچ جائیں تو ان کو ایک راز جو عظیم الشان ہے مختلف درجات پر چمک کر نمایاں ہوگا۔ سب سے پہلے جو چیز پھٹ کر نکلتی ہے وہ افعال کا اللہ کی طرف کرنا ہے اس وقت ولی اللہ پر توکل کرتا ہے اور اس کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا یہ پہلے درجے میں اس راز کا ظاہر ہے اور اس کا باطن یہ ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کو ہر فعل کے اندر دیکھے اور فعل کو اللہ کے لئے ایک پردہ سمجھے اور اس کے تقییدات کا ایک تصور کرے۔ اس درجہ کو اول کیوں کہتے ہیں؟ اس کا سبب یہ ہے کہ افعال نفس الامر میں عدم کے کنارے پر کھڑے ہیں، اصلی چیز وہ موطن علمی ہے جو اس موطن کے تمثلات میں سے ہے اور اس کو ان کی اصطلاح میں محاضرہ کہتے ہیں۔

دوسرے درجے پر ان کے لئے یہ بات پھٹ کر نکلتی ہے کہ تمام صفات اللہ کی طرف مستند ہیں، وہ شخص دیکھتا ہے کہ ہر بصریت اسی کے بصر میں سے ہے اور ہر سمع اسی کی سمع میں سے ہے، اور اسی طرح اور حسوں کو قیاس کرلو۔ اور امید ہے کہ اس درجہ کے بطن کا شکار کر سکتے ہو اور اس کی ثانویت کے درجہ کو سمجھ سکتے ہو اس کو ان کی اصطلاح میں مکاشفہ کہا جاتا ہے۔

تیسرے درجہ پر جو علم پھٹ کر نکلتا ہے وہ تمام ذرات کا استناد ہے اللہ کی طرف تو یہ دیکھتا ہے کہ ہر ایک ذات اس کی ذات میں سے ہے جب اس کے بطن کی طرف منتقل ہوتا ہے اور وہ یہ ہے: واجب جل مجدہ موجود کی اصل ہے اور ہر موجود کا اس سے افاضہ مقدسہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد سیر الی اللہ (اللہ کی طرف سیر) حاصل ہوتی ہے اور اسی کو مشاہدہ کہتے ہیں۔

پھر اللہ کی طرف سے جذبات اس کو وقتاً فوقتاً اپنی طرف کھینچتے ہیں یہاں تک کہ تمام حجابات اُٹھ جاتے ہیں اور تمام تقیدات رفع ہوجاتے ہیں ولا یبقیٰ الا ذوالجلال والاکرام فی وحدتہ وکبریائہ اور ادراک کرنے والا جس کا ادراک کم

اس کا عین ہو جاتا ہے فلا یعلم بالعلم الحضوری الا اللہ سبحانہ (تو علم حضوری سے صرف اللہ سبحانہ کو جانتا ہے) اور مرایا سب عدم کے حکم میں ہو جاتے ہیں۔[۵۱] جس نے ایک مرئی چیز میں زیادہ غور سے دیکھا یہاں تک کہ آئینہ اس کی نظر سے غائب ہو گیا، اس کی مثال ہم نے خزانۂ تاسعہ میں لکھی ہے، وہاں دیکھنا چاہیئے۔ یہاں پر آکر سیر فی اللہ تمام ہو جاتی ہے اور جو شخص اسی میدان میں داخل ہوا اسے لائق ہے کہ وہیں پڑا رہے اتنی دیر تک کہ اسماء کے احکام ان کی نورانیت کے بعد ثابت ہو جائیں یہ ہوگا سیر فی اللہ کے واسطہ سے اور اس شخص کی ذات پہلی فطرت کے حساب سے سابغ واقع ہوئی ہے اسی حیثیت سے اس لئے کہ قبول کرنے والا بہت سی استعدادیں رکھتا ہے اسماء کے کثیر ہونے کے سبب سے۔ پس اگر یہ شخص فطری علم کا مالک ہے تو پہلی چیز جو اس کے لئے ظاہر ہوگی وہ اسماء کی حقیقت ہے اور مظاہر کی خصوصیات اور مظاہر میں ان اسماء کے ظہور کا طریقہ اگر یہ شخص فطری تقلید کا مالک ہے تو اس کو اسماء کی حقیقت اور مظاہر کی خصوصیات اور اسماء کے ظہور کا طریقہ کچھ بھی معلوم نہ ہوگا لیکن احکام ثابت ہوں گے اور ایسا ہو جائے گا کہ آدمی ایک نئی نشأت میں پہنچ چکا ہے۔

قبض اور بسط کا لفظ جلال اور جمال کے احکام ظاہر کرنے کی تعبیریں ہیں یہ اس کا نام السیر من اللہ ہے اور جب ارشاد پکا ہو جائے، اور چونکہ وہ صبغ اللہ کے ساتھ منصبغ ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ کامل اور بالذات افاضہ کرنے والا ہے تو اس نشأت میں کم سے کم موطن علمی کے حساب سے تمثل[۵۲] افاضہ ہوگا۔ یہاں پر سیر فی الخلق پوری ہو گئی۔ یہاں پر کمال فنائی اپنی انتہا کو پہنچ گیا اور وہ ان قوموں کے لئے ہے جو اس طائفہ کے لئے شیوخ بہم پہچانی ہیں جیسے بایزید، ابوالحسن (الخرقانی)

---

۵۱ اور یہ قرب الفرائض سے ہے۔

۵۲ اصل عربی میں اشباح صور کے معنی میں ہے۔

ابوالعباس، ابوسعید، ابواسماعیل، ابی عبداللہ[۱] اور وہ امتیں اصحاب الطرف پیدا کرتی ہیں جیسے الغوث الاعظم، الشیخ السہروردی، النجم الکبری، الخواجہ نقشبند، الخواجہ چشتی۔

اس بحث میں تحقیق کرنے کے لئے ایک مقدمہ کی ضرورت ہے اور وہ یہ ہے کہ وجود علمی میں اور وجود خارجی میں مناسبت ہوتی ہے۔ اور ہمارے ہاں مناسبت کا مطلب ہے نفس رحمانی کا اشتراک اور امتیاز خصوصیت موطن کے مطابق اور یہ اس لئے ہے کہ ہم نے پہلے بتلایا ہے کہ مجرد میں علم وجودِ خارجی سے ممتاز نہیں ہوتا، اور امتیاز ان تمثلات میں سے ہوتا ہے جو بعد میں پیدا ہوتی ہیں اور دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے گا کہ نشآت ایک دوسرے کے متحاذی واقع ہوتی ہیں تو جو چیز خارج میں موجود ہے وہی نشأت ذہن میں متجلّی ہے۔ خلاصہ یہ کہ وسائط کا رفع کرنا یا ان کو لغو بنانا، اس کا اثر ہے ایک انسان کے حقیقت الوجوب کے منصبغ ہونے میں اس راستے سے جس کی ہم تفسیر کر چکے ہیں۔

فنا دو قسم پر ہے ایک شفاہی اور اس میں حقیقۃ الذات کے ساتھ انصباغ پیدا ہوتا ہے نہ کہ اس کی تجلیات کے ساتھ، یہ انصباغ ہوتا ہے قوی اور پورا اور یہ مخصوص ہے سخت طبیعت والے انسان کے ساتھ، اس لئے مزاج کی تیزی مقہور نہیں ہوتی مگر تجلیات کے تکرار سے، اس کا جذب قوی ہے وہ کسی چیز کو نہیں چھوڑتا مگر اس پر غالب آجاتا ہے یہاں تک کہ انتہائی درجہ پر پہنچ جائے۔

جان لو کہ فنا کے واسطے ایک وزن ہے، اس کی مثال ایک آدمی کی ہے جو سمندر میں غرق ہوا پھر مرا بحر نے اسے کنارہ پر پھینکا۔ اب اس کی موت کے اور اس کے کنارے پر پھینکنے کے ایک خاص معنیٰ ہیں جسے ہم وزن کہتے ہیں۔ اسی طرح پر ضروری ہے کہ نفس میں پہلے شکستگی پیدا ہو اور اپنی ذات میں سخت طرح کا

---

[۱] یہ حنبلی ہیں انھوں نے تصوف میں کتاب لکھی ہے جس کی حافظ ابن قیم نے شرح لکھی ہے۔ قاسمی

ہضم پیدا کرے، پھر فنا ہوجائے اور یہ اس لئے ہے کہ بعض اوقات فنا شفاہی حاصل نہیں ہوتی اور نفس صورت ربوبیت میں ظاہر ہوتا ہے پھر اس کا زائل کرنا بڑا مشکل ہے اور یہ اپنے پیچھے حیاتی دنیا میں بڑی ذلّت چھوڑ جاتا ہے ۔ یہ بھی واجب ہے کہ اولاً دوام حضور حاصل کرے پھر فنا حاصل کرے کیونکہ ممکن ہے کہ فنا شفاہی حاصل نہ ہو اور یہ انسان حیران مدہوش رہ جائے نہ تو اس کو اللہ سے کوئی تعلق ہو اور نہ ذکر الٰہی کا حضور ہو تو اس کا ارشاد ناقص رہ جائے گا اور اس کے قلب میں نقصان پیدا ہوگا ۔ یہ بھی ضروری ہے کہ اولاً اس محبت کا ربط ٹوٹ جائے جو اس کے اور مال اور ولد اور جاہ وغیرہ میں موجود ہے، اس لئے کہ ممکن ہے کہ فنا شفاہی حاصل نہ ہو تو یہ شخص ہمیشہ کے لئے بڑا طمع اور حرص والا بن جائے گا جیسا کہ کہا گیا ہے کما تعیشون تموتون وکما تموتون تبعثون (جس طرح زندگی بسر کرتے ہو (اسی طرح) تمہاری وفات ہوگی اور جس طرح تمہاری موت ہوگی اسی طرح اٹھائے جاؤگے) ۔

اولیاء کے لئے اس باب میں کئی مذاہب ہیں، بعض تو ان تین شرطوں کے حاصل ہونے میں اپنی بصیرت پر اعتماد کرتے ہیں جب اپنی بصیرت سے سمجھ جاتے ہیں کہ مرید نے ان کو حاصل کرلیا ہے تو اس کو فنا کے درجہ پر پہنچا دیتے ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ اس معاملہ میں وہ مرید کے اور اپنے واقعات پر اعتماد کرتے ہیں (واقعات سے وہ چیز مراد ہے جو بیداری یا خواب میں منکشف ہو) پس جب وہ اس کے نزدیک متحقق ہوجاتا ہے کہ واقعات کے سبب سے یا مناجات کے سبب سے یہ شخص علائق سے مجرد ہوگیا اور اسے دوام حضوری حاصل ہے اور اس کے نفس کی شدت ٹوٹ چکی ہے تو وہ اس کو فنا کے مرتبہ پر پہنچا دیتے ہیں ۔ بعض ان میں سے ایسے ہیں جو اس معاملہ میں فراست پر اعتماد کرتے ہیں پس مرید کا کئی طریقوں سے امتحان لیتے ہیں، پس جب اس کو خالص مخلص دیکھتے ہیں تو فنا تک پہنچا دیتے ہیں اور اولیاء کے پاس ان امور کے حاصل کرنے کے اور بھی طریقے موجود ہیں، ان کے ذکر میں کوئی فائدہ نہیں ۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ ارشاد کے قاعدے اور آداب ہیں۔ ہمیں یہ چیزیں اللہ کی طرف سے ملی ہیں اور یہ کبریت احمر سے بھی نادر ہیں تو ان کو مضبوطی سے پکڑے رہنا۔

۲۔ فنا حجابی۔ اب حجاب یا تو فنا حاصل کرنے والی چیز میں ہے مثلاً یہ شخص موطن علم میں فانی ہوجاتا ہے[۱] یا ادنیٰ جذباب سے مغلوب ہوجاتا ہے یا تھوڑے سے جذب سے جو اس کے حق میں ہو مغلوب ہوجاتا ہے اور وہ حجاب یا تو ہوتا ہے اس چیز میں جس میں فنا حاصل ہورہی اور وہ اس طرح کہ ذاتِ الٰہی میں فنا نہ ہو بلکہ اس کے اسماء میں سے کسی ایک اسم میں ہو۔

ہم نے جو یہ لفظ تقلید فطری کا مالک استعمال کیا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہاں دو نشأتیں ہیں ایک مجرد کی جس میں ایک دوسرے سے ممتاز نہیں ہوا ایک تو ہے علم اور دوسرا ہے وجودِ خارجی یا عمل اور یا حال تو اب اگر کوئی شخص ایسا ہے جس کا علم اس کے عمل اور حال سے بھرپور ہے اس کو ہم "الذکی" کہتے ہیں اور جو شخص اس کے بالعکس ہو اس کو "ذوالتقلید" کہتے ہیں۔

اصحاب العلم (علم والے) ان میں سے ایسے ہیں جن کے لئے یہ آسان ہوگیا کہ وہ جسے چاہیں ملائکہ میں سے اور انبیاء میں سے یا دوسرے لوگوں میں سے جب چاہیں ان کو اپنے پاس نازل کرلیں اور ان کی معارف میں رائے معلوم کرلیں اور ان سے پوچھ لیں جو کچھ چاہتے ہیں اور ان میں سے جو اصحاب العمل ہیں وہ کبھی کسی کو زندہ کردیتے ہیں اور کبھی مار دیتے ہیں ان کے لئے عجیب آثار صادر ہوتے ہیں جو ان کی کتابوں میں ملیں گے جیسے خواجہ نقشبند کے مقامات اور بہجۃ الآثار شیخ احمد جامی کے مقامات وغیرہ۔ فتذکر

---

[۱] یہ اس لئے ہے کہ علم بھی فی الحقیقۃ ایک وجود ہے اور اس شخص کو اس میں فنائیت حاصل ہوتی ہے۔ قاسمی۔

نبوّت، صحابیّت، حکمت اور ولایت کے کمالات کے درمیان وجوہ فرق

ان میں سے ایک یہ ہے کہ انبیاء جانتے ہیں کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ بالایجاب موثر بھی ہے اور بالارادہ بھی موثر ہے۔ یہاں ارادہ سے ارادہ متجددہ مراد ہے اور انھیں اضمحلال حاصل ہوتا ہے۔ (یعنی فنا کے قریب پہنچ جاتے ہیں) تو ارادہ سے ہی ان کے لئے امر آتا ہے، نہی آتی ہے اس سے ان کو ڈر ہوتا ہے، اس سے ان کو طمع ہوتی ہے۔ اور صحابہ اللہ کو نہیں جانتے مگر یہ کہ وہ موثر بالارادہ ہے اور اس میں ان کو اضمحلال ہوتا ہے اور اسی سے ہی ان کو خوف اور طمع ہے۔ اور حکماء اللہ تعالیٰ کو موثر بالایجاب اور موثر بالارادہ دونوں طریقوں سے پہچانتے ہیں لیکن انھیں اضمحلال کسی میں حاصل نہیں ہوتا۔ اور اولیاء اللہ تعالیٰ کو فقط موثر بالایجاب جانتے ہیں اور انھیں اضمحلال حاصل ہوجاتا ہے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہم وہی باتیں ذکر کر رہے ہیں جو ان بزرگوں کے کمال کا ذاتی تقاضا ہے ورنہ عارضی طور پر تو یہ ہوتا ہے کہ اولیاء انبیاء کی تقلید میں رب کو مرید جانتے ہیں یا اپنے راز کو بھول جاتے ہیں، پھر اس کو مُرید سمجھنے لگ جاتے ہیں تو اس طریقہ سے اولیاء کے طریقوں میں اختلاف ظاہر ہوا۔

اب دیکھو انبیاء قدر کا راز جانتے ہیں اور انھوں نے صحابہ کو نہیں بتلایا اور اَہِلّہ (ہلال) کیوں پیدا ہوتے ہیں اس کا راز صحابہ کو نہیں بتلایا۔ اور اس سے ان کے کلمات میں افتراق پیدا ہوگیا۔ اس فرق میں راز کی بات یہ ہے کہ یہ اسم متجدد کا ظہور ہے (جیساکہ تونے معلوم کیا)۔

فرق کے وجوہ میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ کا کلام انبیاء کے ساتھ حدوث کے احکام کے مطابق صادق ہے اور اسی طرح صحابہ کے لئے اور اولیاء کے لئے یہ صحیح نہیں ہوسکتا اور حکماء کے لئے دونوں طریقے جمع ہوجاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جب اولیاء کو کسی بات کا حکم دیتا ہے تو وہ صورتِ مزاجیہ کے ساتھ

ہوتا ہے، اس فرق کا راز وہ ہے جو ہم پہلے بتا چکے ہیں، صورت مزاجیہ اور جو یہ کا ہے۔

اور ان وجوہ فرق میں سے ایک یہ ہے کہ اولیاء اسماء کے احکام کا ثبوت دو موطنوں میں طاقت نہیں رکھتے یعنی علم اور عمل دونوں جگہ ثبوت احکام ہو ان کی طاقت سے باہر ہے۔ پس بعض ان میں سے ایسے آدمی ہیں جنھیں علم ہے اور ارشاد نہیں کر سکتے اور بعض ایسے کہ ارشاد کرتے ہیں لیکن علم نہیں رکھتے۔

صحابہؓ کا کمال علمی نہیں ہے اور انبیاء اور حکماء کے لئے علم اور عمل دونوں برابر ہوتے ہیں۔ اس فرق کا راز یہ ہے کہ اولیاء کی فنا نفس ناطقہ سے مختص ہے اور اس کی دو قوتیں ہیں، عاقلہ اور عاملہ۔ آدمی کی ایک ہی قوت آگے ہو سکتی ہے جبلت کے تقاضا کے مطابق یا عاقلہ یا عاملہ۔

اور حکماء کا کمال قرب الوجود ہے اور وجود عاقلہ اور عاملہ کے علحدہ ہونے سے پہلے متحقق ہوتا ہے اور انبیاء کا کمال ہے قرب الفرائض۔

اور ان وجوہ فرق میں سے یہ ہے کہ انبیاء کے لئے مناسب ہے تزوج اس لئے کہ ان کی وجاہت تقاضا کرتی ہے کہ ان کو ایسے لوگ ملیں جن کی سیاست کی یہ نگرانی کریں اور ان کو پالیں اور اولیاء کے لئے مناسب ہے تجرد اس لئے کہ وہ القدوس الصمد کے رنگ سے رنگے ہوئے ہیں۔ اور حکماء ایک بڑی مشکل میں پھنسے ہوئے ہیں اس حیثیت سے کہ ان کی عفت ان کی عصمت کی جانشین ہے ان کے لئے فردیت مناسب ہے اور اس حیثیت سے کہ ان کے لئے وجاہت ہے اس لئے ان کے لئے تزوج مناسب ہے مگر یہ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کریں، جب آپؐ غار حرا میں عبادت کرتے تھے تو اسی طرح حکیم بھی اپنے اہل کی طرف آنے سے پہلے کچھ مدت تعبّد میں صرف کر دے۔

اولیاء میں سے متزوج تین آدمی ہیں: ایک شخص ایسا ہے کہ اس پر شہوت غالب آئی تو اس نے اپنا علاج زہر سے کر لیا (یہاں زہر سے مراد روزہ یعنی دوام الصیام

ہے) اور ایک ایسا آدمی ہے کہ جس پر اجمالی تجلی چھاگئی وہ تفصیل کی طرف متوجہ ہوا تو اس کی بی بی اس کے بات کرنے لگی تو اس سے اس کو سکون حاصل ہوا، تیسرا وہ ہے جو نور نبوت سے متنور ہوا اور سنت نکاح پر عمل کیا۔

ولایت کا چوتھا طریقہ اہل صفا میں سے ابرار کا ہے اور اس کا معنیٰ بدن کا نفس ناطقہ کے نیچے مقہور ہونا ہے اور بدن کا نفس میں فنا حاصل کرنا ہے، ان کے مذہب کی اصل معلوم کرنی چاہئے تو یہ ہے کہ انسان کے لئے ایک تو لطیفہ قالبیہ ہے اس کا کام ہے احساس اور ایک لطیفہ ہے خیالیہ اس کا کام ہے ایک رنگدار شکل رکھنے والے غائب امر کی طرف التفات۔ اور ایک لطیفہ ہے وہمیہ اس کا کام ہے جزئی حسی معانی کا ادراک کرنا ان کی حفاظت اور ان کو جمع کرنا اور ایک لطیفہ ہے ادراکیہ اس کا کام ہے کلیات طبعیہ اور امور مجردہ کا ادراک کرنا اور یہ لطیفہ ادراکیہ نفس ناطقہ کا خلیفہ ہے عالم تمیز میں اور تمام جسمانیات سے اس کی طرف زیادہ قریب ہے تو وہ ایسے حیلے استعمال کرتے ہیں جن کی وجہ سے یہ لطائف نفس ناطقہ کے ماتحت مقہور ہوجائیں اور بدن نفس ناطقہ سے پوری تشبیہ پیدا کرے اور حیلہ جو وہ استعمال کرتے ہیں ایک تو ہے تخلیہ اور دوسرا ہے تجلیہ۔

پہلا کام جو وہ کرتے ہیں یہ ہے کہ آنکھیں اور سمع کو بند کرلیتے ہیں، جوارح کو ساکن کردیتے ہیں، زبان کو خاموش کردیتے ہیں، بھوک اور پیاس کی تکلیف اٹھاتے ہیں، آنکھوں کو بند رکھتے ہیں اور اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور نہایت محبت سے اللہ کو یاد کرتے ہیں یہاں تک کہ قالب مقہور ہوجاتا ہے اور اس کی توجہ مالوفات سے بند ہوجاتی ہے۔

اور دوسرا کام وہ یہ کرتے ہیں کہ وسواس اور خطرات کو نفی کرتے ہیں اور ماضی اور مستقبل کی یاد کو بھلاتے ہیں، اور اس کے لئے آسان سبب ان کے نزدیک یہ ہے کہ وہ اپنے خیال کی نگرانی کرتے ہیں جب ان کے دل میں کوئی نئی چیز ظاہر ہوتی ہے تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور اس کے مدخل کو پہلی دفعہ بند کردیتے ہیں اور اس

موقعہ پر ایسی چیز ثابت کرتے ہیں کہ وہ ایک قدسی امر کی مثال ہوتی ہے جیسے کہ اللہ کا اسم زبانی ذکر کرنا اور یہ سب سے اچھا ہے یا اللہ کا اسم لکھا ہوا اپنے سامنے رکھنا یا قلب کی صورت کا تصور کرنا یا شیخ کی صورت کا تصور کرنا یہاں تک کہ اس کی توجہ مالوفات سے منقطع ہوجائے۔

تیسرا کام جو وہ کرتے ہیں یہ ہے کہ وہ اپنے غضب کو نفی کرتے ہیں اور اسی طرح حرص اور الفت اہل، مال وغیرہ کی نفی کرتے ہیں ایسے اسباب کے ذریعہ سے جو ان کے رسالوں اور کتابوں میں مذکور ہے جیسے احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت وغیرہ اور اس موقعہ پر وہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی محبت اپنے دل میں ثابت کرتے ہیں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے ذکر سے دُعا کے ذریعہ سے یہاں تک کہ یہ محبت پکی ہوجائے اور ایسی ہوجائے جیسے کہ پیالے کو پانی کی طلب ہوتی ہے۔

چوتھا کام جو وہ کرتے ہیں یہ ہے کہ اپنی قوتِ ادراکیہ کو تیز کرلیتے ہیں یا تو وعظ کی باتیں سن کر یا اپنے سامنے عظمت کی ایک تمثال قائم کرتے ہیں یا خالص عقلی باتوں کے سمجھنے کی مشق کرتے ہیں اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح ثابت کرتے ہیں کہ وہ دل کے سامنے حاضر ہے اور ان کی غایت محبت کا وہ محبوب ہے۔ اس درجہ کو ہمارے نزدیک "نور الغیب" کا نام دیا جاتا ہے، پس جب یہ ان کی تمام قوتوں کا مالک ہوجاتا ہے تو اس کو صفا مشاعری کہتے ہیں جس کی شارع نے ترغیب دی ہے۔

ان میں سے جو اشراقی ہیں ان کی ایک کوشش اور ہوتی ہے وہ تصفیہ تام کے بعد اپنی قوت کے ساتھ اپنے علم حضوری کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو نفس ناطقہ اپنے علم میں مجرد ہوتا ہے تو اس طریقہ سے اس کے لئے علوم مجردہ پھٹ کر ظاہر ہوتے ہیں، ہمارے نزدیک ان علوم پر کوئی اطمینان نہیں کیا جاتا۔

اپنی صفائی میں جو شخص کامل ہے وہ برکت کا مالک ہوجاتا ہے اس کے واسطے سے بارش مانگی جاتی ہے، اس کے واسطے سے مدد مانگی جاتی ہے، وہ کبھی تو اپنی صورت

مثالیہ کے ذریعے سے ہدایت حاصل کرتا ہے اور کبھی اپنے افعال اور اقوال کے ذریعے سے وہ صاحب قبول ہوتا ہے، اس کی طرف لوگ توجہ کرتے ہیں، وہ صاحب عنایات ہوتا ہے، وہ صحبت نورانی رکھتا ہے، اپنے نسمہ کی خصوصیت کی وجہ سے کوئی شخص اس کی صحبت میں نہیں جاتا مگر وہ اپنے دل میں اس کا قرب اور اس کی توفیق پاتا ہے جو اس سے افاضہ ہوتے ہیں۔ ہم نے یہ قید لگا دی کہ اس سے افاضہ ہوتے ہیں اس لئے کہ انبیاء اور اولیاء میں سے ہر ایک کے اصحاب ان کے باطن سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان کی ہمت نسمیہ موثرہ نافذہ ہوتی ہے، وہ ہشاش بشاش رہتے ہیں، نہ کسی سے حسد ہے نہ غصہ ہے نہ طمع ہے نہ امید ہے، ان کا حکم بھی کلی ہوتا ہے ان کی رائے بھی کلی ہوتی ہے، وہ اللہ کی طرف سے تعلیم دئیے جاتے ہیں۔

ان کاملین کے لئے جو صفائی حاصل کر چکے ہیں کئی شعبے اور طریقے ہیں:

ان میں سے ایک شعبہ علم ہے اور یہ اضمحلال کا نام ہے جو سکینت کے نور میں حاصل ہو اور ٹھنڈا اور برد ہے جو انسان کے لئے باعث بنے کہ وہ ان امتحانوں پر صبر کرے اور مکروہ حالتوں میں طاعات پر قائم رہے اور اسی طرح امر بالمعروف نہی عن المنکر (نیکی کا حکم کرنا، برائی سے روکنا) حدود اللہ کی حفاظت کرنا، اعداء اللہ کے ساتھ قولاً و فعلاً مجاہدہ پر صبر کریں۔ ہم نے اس کو شعبۃ اللہ کا نام اس لئے دیا ہے کہ ہمیں معلوم ہوا کہ علماء مجتہدین، محققین کی بڑی جماعت اسی طریقہ پر تھی۔

ان شعبوں میں سے ایک شعبہ العبادۃ ہے اور یہ اضمحلال ہے جو طاعت کے نور میں حاصل ہوتا ہے۔ ہم بتلا چکے ہیں کہ صلوٰۃ کا ایک نور ہے، صوم کا دوسرا نور ہے، اور یہ فراست سے معلوم ہوتا ہے، اس کے لئے آداب ہیں، طریقے ہیں، ان کی کتابوں میں مذکور ہیں، سہروردیہ طریقے کے لوگ اس امر کے ساتھ زیادہ موصوف ہیں۔ ہم نے اس کو نور کا نام اس لئے دیا کہ واقعات میں نور حسی کی طرح متمثل ہوتا ہے اور ہم اسے تشبیہی طور پر بھی نور کہہ سکتے ہیں۔

ان میں سے ایک شعبہ الخضوع ہے اور یہ انکسار ہے اور تواضع ہے مستمرہ۔

آدمی اس میں مضمحل ہوجاتا ہے مجازی طور پر، اس کو سنت اہل البیت کہتے ہیں، لیکن یہ حقیقت نہیں ہے۔

ان میں سے ایک ہے شعبۂ الخوف والرجاء یا تو دوزخ سے خوف اور رغبت کی رجاء یا اللہ کے غضب سے خوف اور اس کی بخشش کی امید۔ اس شعبہ کے آدمی سلف میں تھے۔ ہم نے اپنے زمانہ میں کسی آدمی کو اس سے موصوف نہیں پایا۔

یہ چار شعبے اللہ کی مراد ہے، جہاں مؤمنین کی تعریف اپنی کتاب میں کی ہے اور یہ تعریف سات بطنوں میں سے پہلے بطن کے مذہب میں ہے اور ان شعبوں کو صحابہ کے طریقہ سے ربط ہے۔

ان میں ایک شعبہ محبت ہے اور وہ عشق کا جوش ہے اور یہ کہ سارے جسم میں اس کا اثر پھیل جائے۔ آیا تو نے ایک عاشق مفرط کو نہیں دیکھا کہ کس طرح اس کی قوتیں جمع ہوجاتی ہیں؟ اس کا قلب حرکت کرتا ہے اس کا رنگ سیاہ ہوجاتا ہے، اس کی آنکھ سوکھ جاتی ہے۔ اور یہ ایک کیفیت ہے جیسے بھوک، پیاس۔ واہمہ کی قوت سے اس کا ادراک کیا جاتا ہے، اس کا جوش تو ہے چشتیوں کے نزدیک اور اس کی صفائی ہے احراریہ[۱] کے نزدیک۔

ان میں سے ہے شعبۂ التوحید۔ بشرطیکہ اس طریقہ پر نہ ہو جیساکہ ہم نے ولایت میں ذکر کیا ہے اور ہمارے زمانہ میں اس شعبہ کے ساتھ بہت سے لوگ رنگین نظر آتے ہیں اور ان میں ایک عجیب راز دکھائی دیتا ہے اور وہ یہ ہے کہ سلوک کی مسافت تھوڑی ہوجاتی ہے باوجودیکہ اکثر استعداد ان کی مکدر رہے۔

ان میں سے ہے شعبہ "یادداشت" اور یہ قوت مدرکہ کا اضمحلال ہے ایک امر مجرد کے ادراک میں اور اس کی طرف اشارہ کرنا ہمارے نزدیک ہے "نور الغیب" اور یہ طریقہ ہے نقشبندیہ کا۔

---

[۱] یعنی نقشبندیہ سے[۲] اس سے فکر وحدۃ وجود کا مراد ہے۔ قاسمی

ان میں سے ایک ہے شعبۃ الرابطہ، اور یہ اضمحلال ہے اور کسی رُوح کے رنگ میں رنگین ہوتا ہے یا تو ہمت جمع کر لی جائے کسی اولیاء اللہ کی قبر پر یا ہمت جمع کی جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کی طرف اور یہ طریقہ ہے اہل حدیث کا جو ان میں سے استاد ہیں اور یا ہمت جمع کی جائے کسی ولی کی روح کی طرف اور سلف ابتداء طلب میں اس کے ساتھ اشتغال کرتے تھے۔ اور یہ چار شعبے ان کا ربط ہے حقیقۃ الولایت سے اور یہ ولایت کے تمثلات میں سے ہیں۔ یہ ولایت کے ایسے مسئلے ہیں جن سے ذکی بھی مستغنی نہیں اور غبی اس سے مزید تصریح پر بھی فائدہ اٹھا نہیں سکتا۔

ہم اس خزانہ کو چند فوائد ذکر کر کے ختم کرتے ہیں:

(۱) جب کہ عہد صحابہ ختم ہو گیا اور ان کے محققین فوت ہو گئے تو لوگ سب کے سب یا اکثر علمی صفائی یا نوری صفائی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ پھر ان میں سے اذکیاء اور اہل جذب فنا اور کشف الحجب کی طرف متوجہ ہوئے تو اولیاء کا طریقہ متحقق ہو گیا۔

(۲) گمراہی کی طرف بھی انسلاخی کمالات ملتے ہیں جیسے کہ شیطان اور دجّال میں ہماری سمجھ میں۔ اور فنائی کمالات بھی ملتے ہیں جیسے کہ بہت لوگوں میں جو نورِ نبوت سے متنور نہیں ہوئے، وہ شرابیں پیتے ہیں، نماز نہیں پڑھتے۔ اور صفائی کمالات بھی ان میں ملتے ہیں جیسے کہ ہند کے جوگیوں میں اور نیرنگ سازوں میں۔

(۳) عوام الناس کس طرح منہ کریں؟ ان میں ایک جہتی نہیں ہے متفرق ہیں اور فلاسفروں میں سے محققین "اضافیات" کو عقل فعال کا نام دیتے ہیں (اس لئے کہ وہ اجمال کے لحاظ سے امر مجرد فیضی ہے) اور "شیون" رب واجب جانتے ہیں اس لئے کہ وہ امر مجرد بسیط ہے اجمال کی حیثیت سے اور متکلمین ان میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ شئونات کی عبادت کرتے ہیں فلاسفہ کی طرح اور بعض ثبوتیات کی عبادت کرتے ہیں۔ اور یہ صنف زیادہ ہے۔ اور اشعریہ کا مذہب صحابہ کے مذہب

کی ایک تمثال ہے اور اصحاب سکینہ میں راسخین "تنزیہات" کی عبادت کرتے ہیں۔ اس لئے کہ مجرد ہے تنزیہی ہے، من حیث الاجمال قدسی ہے۔

(۴) جب تو ائمہ ولایت سے یہ کلمہ سنے کہ فلاں شخص "عیسوی المشرب" ہے یا موسوی المشرب ہے تو جان لو کہ اس کے دو[۲] معنی ہیں: یا[۱] تو ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس شخص کو اس لطیفہ میں فنا حاصل ہوئی ہے کہ وہ اس کی تمثال ہے جس کی تمثال وہ نبی تھا۔ یا[۲] تو ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص فنا حاصل کرتا ہے ایسی جہت میں جو اس نبی کے ساتھ خاص ہے من حیث الانسلاخ اور ولی کے ساتھ ہے صورت مزاجیہ میں۔

(۵) قرآن شریف یا احادیث میں جہاں کہیں روح القدس کا ذکر آیا ہے تو اس سے مراد ہے اسم الٰہی متجدد اس کو تشبیہاً رُوح کہا گیا ہے اور عیسٰی علیہ السلام ذکر میں اس لئے خاص کر لئے گئے کہ وہ اس معاملہ میں سابق تھے۔ جیسے کہ تُو نے جان لیا۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ اَعْلَمُ بِغَیْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

غلام مصطفٰی قاسمی نے زاہد پریس حیدرآباد سے چھپوا کر شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سے شائع کیا